فکر اسلامی کی تشکیل جدید
۱ و ۲

ضرورت و اہمیت اور لائحہ عمل

"فکر اسلامی کی تشکیل جدید" کے موضوع پر ہم نے اہل علم اور اصحاب فکر و نظر کے مقالات کا جو سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس کا دوسرا اور تیسرا مقالہ قارئین الولی کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ مقالات دسمبر ۱۹۸۰ء میں دہلی کے ایک سیمنار میں پڑھے گئے تھے جس کا اہتمام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے "ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسٹڈیز" نے کیا تھا۔ اس کی صدارت مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی نے فرمائی تھی موجودہ دور میں فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ تقریباً ایک صدی سے قدیم و جدید فکر کے حامل تمام علمائے عہد میں موضوع بحث بنا ہوا ہے اس دور میں سب سے پہلے سرسید نے اس ضرورت کو محسوس کیا تھا لیکن وہ اس کام کے لئے اپنی اہلیت کو ثابت نہیں کر سکے۔ نیز ان کے پیش نظر مقاصد بھی دوسرے علماء کے پیش نظر مقاصد سے مختلف تھے۔ وہ اسلامی فکر کو انسانی دماغ کی کاوشوں اور فیصلوں کے سانچوں میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ علامہ شبلی کا احساس صرف چند مضامین میں نمایاں ہوا اور صرف چند مسائل تک محدود رہا حالانکہ ان میں علمی و دماغی صلاحیتیں سرسید سے کہیں زیادہ تھیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے فکر میں احساس رچا بسا ہے۔ علامہ اقبال کے ہاں صرف احساس اور دعوت ہے۔ ضروری اشارے ہیں مکمل نظام فکر نہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے ہاں

شدت کے ساتھ یہ احساس ملتا ہے ان کے مطالعہ اور تجربہ نے فکر اسلامی کی تشکیل جدید کی ضرورت اور اہمیت کو ذہنوں میں اور واضح اور پختہ کر دیا لیکن ابھی تک وقت کے تمام افکار و مسائل کی جامع نہ کوئی کوشش تھی اور نہ کوئی تحریر۔ یہ مسئلہ ابھی تک قدامت پسندی یا تقشف اور تجدد یا بے روک دماغوں کی کاوشوں کا تختہ مشق بنا ہوا تھا۔

اس موضوع پر یہ پہلا مذاکرہ ہے جس میں فکر اسلامی اور عہد نو کے تقاضوں پر ہر جہت سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس میں حصہ لینے والے جدید علوم و افکار کے آشنا بھی ہیں اور قدیم علوم و معارف کے ماہر بھی ہیں جنہیں عہد نو کے مسائل کی نزاکت کا پورا احساس ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے ان مسائل میں ملک و قوم اور ملت کی رہنمائی نہ کی تو ہر مسئلہ اپنا حل خود تلاش کرے گا۔ وہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی فکر و نظر کے تذبذب کا شکار ہوئے تو زمانہ اپنے سفر میں انہیں پیچھے چھوڑ دے گا۔ مذاکرے کے تمام ہی شرکاء قدیم و جدید مکاتب فکر کے منتخب اہل علم و نظر تھے۔ ان کے افکار میں گہرائی بھی ہے اور وقت کے اہم ترین مسائل کو محیط بھی ہیں۔

ذیل میں ہم مولانا سعید احمد پالن پوری استاد دارالعلوم دیوبند اور مولانا ابوالعرفان ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے مقالات پیش کر رہے ہیں جن کا موضوع فکر اسلامی کی تشکیل جدید کی ضرورت، اہمیت اور لائحہ عمل ہے۔ اس سلسلہ بحث کا ایک مقالہ ان شاء اللہ العزیز الولی کی آئندہ اشاعت میں پیش کریں گے۔

(ڈاکٹر) ابوسلمان شاہجہاں پوری

(۱)

سعید احمد پالن پوری

فکر اسلامی کا سرچشمہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہیں۔ ان میں جو فکر بسیط انداز میں پیش کی گئی ہے، جب تک وہ غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رہی، اس سلسلے میں کسی قسم کے کنج و کاو کی حاجت محسوس نہیں ہوئی۔ مگر جب اسلام کا حلقہ وسیع ہوا، اور عجم کی مختلف قومیں اس میں داخل ہوئیں تو رفتہ رفتہ اختلافات نے مختلف گروہوں کی صورت اختیار کر لی اور جبریہ، قدریہ، خوارج وغیرہ متعدد فرقے عالم وجود میں آگئے اور ہر جماعت نے اپنے لئے خاص خاص اصول و نظریات وضع کر لئے، اور فکر اسلامی کی تعبیر و تشریح میں مختلف نہج اپنائے جانے لگے جس سے خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر فکر اسلامی کی بروقت نگہداشت نہ کی گئی تو اسلام کا نقشہ ہی مٹ جائے گا اور عام مسلمانوں کے صحیح عقائد، لوگوں کے غلط خیالات سے متاثر ہو جائیں گے۔

علمائے امت نے ان حالات میں سب سے اہم ضروری فریضہ یہ خیال کیا کہ اسلامی تعلیمات کو اس کی اصل صورت میں محفوظ کر دیا جائے اور اسلامی فکر کی سرحدوں پر ہر قسم کے خطرات سے حفاظت کے لئے پہرے بٹھا دیئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے اسلامی تعلیمات کے مختلف شعبے بنائے اور ہر شعبے کے لئے خاص خاص اصول و ضوابط مقرر کئے۔ مثلاً علوم قرآنی کو ایک فن بنا کر اس کے لئے تفسیر اور اصول تفسیر کے قوانین وضع کیے۔ احادیث نبویہ کو ایک جدا فن قرار دے کر اس کے لئے الگ اصول و ضوابط مقرر کئے، اعمال انسانی سے متعلق ایک مستقل فن علم فقہ مرتب کیا، عقائد و نظریات سے بحث کرنے کے لئے علم اصول عقائد وضع کیا۔ اخلاقیات کو مستقل فن قرار دیا اور اس کے لئے علم تصوف مدوّن کیا اور اسرار و حکم اور شرعیات کی تہ میات سے بحث کرنے کے لئے فن اسرار شریعت ایجاد کیا۔

غرض عقائد، اعمال، اقوال بلکہ جملہ انسانی حرکات و سکنات کے متعلق، اسلامی تعلیمات میں جو جو ہدایات و احکام وارد ہوئے تھے، علمائے اُمّت نے ہر شعبے کے لئے ایک ایک فن اور ہر ایک فن کے لئے جدا جدا اصول و ضوابط مرتب فرما دیئے۔

اس تقسیم کے نتیجے میں اسلامی تعلیمات مختلف فنون میں منقسم ہوگئی۔ اس لئے اب اگر کسی ایک فن میں فکر اسلامی کے تمام مسائل کو تلاش کیا جائے تو یقیناً ناکامی کا سامنا ہوگا۔ مگر یہ بات کسی فن کے نا تمام اور ناقص ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، بلکہ اس کو تلاش کرنے والے کی کوتاہ بینی تصور کریں گے کہ وہ اپنا مطلوبہ مسئلہ غیر محل میں تلاش کر رہا ہے۔ مثلاً علم کلام نام ہے الٰہیات اور مابعد الطبیعیات کے مسائل کا، یعنی اس میں خالق کی ذات اور صفات اور کائنات کے مبداء و معاد سے بحث کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کا دوسرا متبادل نام علم التوحید والصفات بھی ہے۔ اب اگر کوئی شخص علم کلام میں حقوق انسانی کی بحث تلاش کرنے لگے تو اسے یقیناً وہاں ناکامی ہوگی کیونکہ یہ مسئلہ فن فقہ اور فن اسرار شریعت کا ہے، علم کلام کا نہیں ہے۔

قدیم علم کلام کا تعارف

قدیم علم کلام میں مقصدی حیثیت سے صرف کائنات کے مبداء و معاد سے بحث کی جاتی ہے یعنی خالق تعالیٰ شانہ کی ذات و صفات اور معاد کے مسائل ہی زیر بحث آتے ہیں۔ الٰہیات کے سلسلے میں جو مسائل زیر بحث آتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

خدا تعالیٰ کا اثبات، مسئلہ توحید، صفات خداوندی کا بیان، صفات سلبیہ کا تذکرہ، صفات کا عین ذات نہ غیر ذات ہونا، صفت کلام کی مفصل بحث اور ضمناً قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا تذکرہ، رؤیت باری تعالیٰ کا مسئلہ، خلق افعال عباد کا ذکر اور معاد کے سلسلے میں برزخ کے احوال، جنت و دوزخ، حشر و نشر، جزا و سزا اور علامات قیامت سے بحث کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں مبادیات اور ملحقات کے طور پر کچھ مسائل سے بحث کی جاتی ہے۔ مبادیات کے طور پر جو مسائل زیر بحث آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی علم کلام اور علم فقہ کی طرف تقسیم۔ علم کلام کے آغاز کی تاریخ، قدما، اور متاخرین کے علم کلام کا فرق، حقائق اشیا کا اثبات اور متشککین کا رد، اسباب علم کا بیان اور عقل والہام کی بحث اور حدوث عالم پر مفصل بحث۔

اور تتمہ کے طور پر جو مسائل زیر بحث آتے ہیں ان کی اجمالی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

رسالت کی بحث، معراج کا مسئلہ، ملائکہ کا بیان، معجزات اور کرامتوں کا اثبات، امامت کبریٰ کا مسئلہ،

صحابہ رضی اللہ عنہم میں فضیلت کی ترتیب، خلافت راشدہ کی ترتیب، عدالت صحابہ کا ذکر، مجتہد سے خطا ہو سکتی ہے، انسانوں اور فرشتوں میں تفاضل کی بحث، کوئی ولی کسی نبی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا، عشرہ مبشرہ کا بیان، روغنی گھڑے کی نبیذ جائز ہے، موزوں پر مسح کے جواز کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے، ایمانیات کی بحث، اہل کبائر کا حکم، ہر مسلمان کا جنازہ پڑھا جائے گا، خواہ وہ نیک ہو یا بد وغیرہ وغیرہ۔

فکر اسلامی کیا ہے؟

"فکر اسلامی" کو ہم "اسلامی مزاج" یا "اسلامی ذہنیت" سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، یعنی یہ لفظ علم کلام سے وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم اس کی تشریح اس طرح کر سکتے ہیں کہ مختلف الخیال اور مختلف المذہب لوگوں کی باہمی گفتگو میں مذہب کی ضرورت، اس کی حقانیت اور ترجیح کے سلسلے میں جو تاریخی، اخلاقی، تمدنی اور علمی مسائل زیر بحث آتے ہیں، وہ سب انسانی فکر کا جز ہے اور ان کے متعلق اسلام نے جو تعلیمات پیش کی ہیں، انہی کا نام "فکر اسلامی" ہے۔

فکر اسلامی کی تشکیل کا مسئلہ

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں علم کلام کی تدوین اس لئے عمل میں آئی تھی کہ اس وقت کے معاشرہ میں مذہب کے سلسلے میں جو مسائل زیر بحث آتے رہتے تھے، جن کے بارے میں مختلف مکاتب فکر وجود میں آگئے تھے، اور جن کی طرف سے خطرہ لاحق ہو چلا تھا کہ ایک مسلمان گفتگو کے دوران ان کے غلط افکار سے متاثر ہو جائے گا جس کے لئے علم کلام مدون کیا گیا تھا تاکہ ہر مسلمان فکری سطح پر مسلح رہے اور باہمی گفتگو میں دوسروں سے متاثر ہونے کی جگہ ان کو متاثر کر سکے یا کم از کم ان کے غلط افکار کا شکار نہ بن جائے۔

مگر اب یہ ہے کہ قدیم مسائل یا تو زیر بحث ہی نہیں آتے یا ان پر بحث نئے ڈھنگ سے کی جاتی ہے مثلاً حدوث عالم کا مسئلہ آج بھی ایک زندہ مسئلہ ہے مگر آج اس مسئلہ پر گفتگو قدیم انداز سے نہیں کی جاتی۔ علاوہ ازیں بہت سے ایسے مسائل اب زیر بحث آنے لگے ہیں جو پہلے فکری حیثیت سے زیر بحث نہیں آتے تھے۔ اس لئے ان جدید مسائل کا نئے علم کلام میں شمول ضروری

ہے۔ نیز فکر اسلامی کی تشکیل مندرجۂ ذیل وجوہ سے بھی ضروری ہے۔

۱- قدیم زمانے میں اسلام پر جس قسم کے اعتراضات کئے جاتے تھے آج ان کی نوعیت بدل گئی ہے، پہلے زمانے میں یونان کے فلسفے کا مقابلہ تھا، جو محض قیاسات اور مظنونات پر قائم تھا، مگر آج بدیہیات اور تجربے کا سامنا ہے، جس کے مقابلے میں محض قیاسات عقلی اور احتمال آفرینی سے کام نہیں چل سکتا۔

۲- قدیم علم کلام میں صرف الٰہیات اور مابعد الطبیعیات کے مسائل سے بحث ہوئی ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے وہ انہی مسائل سے متعلق تھے۔ مگر آج تاریخی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، علمی اور فکری ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے اس لئے نئے علم کلام میں اس قسم کے تمام مسائل سے بحث ناگزیر ہے۔

۳- قدیم علم کلام کی تشکیل صرف اسلامی فرقوں کو پیش نظر رکھ کر کی گئی تھی کیونکہ اس وقت اختلاط باہمی کا دائرہ انہی لوگوں تک محدود تھا۔ مگر اب نقل وحمل کی سہولت اور مواصلات کی آسانی نے زمین کی طنابیں کھینچ لی ہیں، ساری دنیا کو ایک گھر بنا دیا ہے اور تمام اقوام کو ایک خاندان کے افراد کی حیثیت دے دی ہے۔ اس وجہ سے اب اختلاط باہمی کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔ آج کا حال یہ ہے کہ ایک مسلمان، خواہ وہ دنیا کے کسی خطے کا باشندہ ہو، ہر وقت اس کو دنیا کے کسی بھی مذہب کے ماننے والے سے سابقہ پیش آسکتا ہے اس لئے اب اس بات کی ضرورت ہے کہ نئے علم کلام کی تشکیل تمام مذاہب عالم کو پیش نظر رکھ کر کی جائے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (بانی دارالعلوم دیوبند) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "تقریر دل پذیر" کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔

"گنہگار، شرمسار، ہیچمدان، بندۂ خیر خواہ خلائق، سب ہندو مسلمان، نصاریٰ، یہود، مجوس، آتش پرست کی خدمت میں بہ نظر خیر خواہی اپنے چند خیالات پریشان کو جمع کر کے عرض کرتا ہے۔۔۔۔"

اس آغاز سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو نیا علم کلام مرتب کرنے جا رہے تھے اس میں ان تمام مذاہب کو پیش نظر رکھا گیا تھا، چنانچہ آپ نے

اپنی اسی ناتمام کتاب میں آواگون پر مفصل بحث کی ہے اس طرح تثلیث نصاریٰ کا رد اور ابنیت عیسیٰ علیہ السلام پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنی دوسری کتاب حجۃ الاسلام میں علت گوشت کے مسئلہ پر محققانہ گفتگو فرمائی ہے۔ یہ تمام مسائل وہ ہیں جن سے ہمارا قدیم علم کلام خالی ہے۔

۴۔ قدیم علم کلام میں فروعی مسائل کو شامل نہیں کیا جاتا تھا، کیوں کہ ان کے لئے فن فقہ اور فن خلافیات الگ سے موضوع ہو چکے تھے۔ لیکن باین ہمہ اگر کوئی فقہی مسئلہ عقیدہ کی شکل اختیار کر لیتا تھا تو اس کو علم کلام میں شامل کیا جاتا تھا مثلاً روغنی گھڑے کی نبیذ حرام نہیں ہے۔ ہر مسلمان کا جنازہ پڑھا جائے، خواہ نیک ہو یا بد اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھا جائے۔ اس قسم کے مسائل کو علم کلام میں لیا گیا تھا، مگر آج ان مسائل کی وہ اہمیت باقی نہیں رہی جو ماضی میں تھی اس لئے تشکیل نو میں اس قسم کے تمام مسائل کو حذف کر دینا چاہیے اور ان کی جگہ ان نئے مسائل کا اضافہ کیا جانا چاہیے جنہوں نے عقیدت کی حیثیت اختیار کر لی ہے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا عقیدہ یا ختم نبوت کا انکار، جو آج عقائد کی حیثیت سے متعارف ہو چکے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ تشکیل جدید میں ان مسائل کا اضافہ کیا جائے۔

۵۔ قدیم علم کلام میں مسائل کا جو انداز تفہیم ہے وہ اب غامض شمار کیا جاتا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے پلے تو وہ کیا پڑتا، قدیم تعلیم پانے والوں کی دست رس سے بھی وہ باہر ہوا جاتا ہے۔ کیوں کہ قدیم انداز استدلال میں پیچ در پیچ مقدمات، منطقی اصطلاحات اور نہایت دقیق خیالات سے کام لیا جاتا تھا اور یہ طریقہ اس زمانے کی عقلیت کے لئے تو مناسب تھا، مگر چونکہ زمانے کے ساتھ ساتھ ذہنیت اور عقلیت بھی بدلتی ہے اس لئے اب ایسا محسوس کیا جا رہا ہے کہ دقیقہ رسی اور عقلیت پسندی کا وہ دور ختم ہو گیا ہے۔ اب عام اذہان کا میلان سطحیت یا سہولت پسندی کی طرف ہو گیا ہے۔ چنانچہ اب استدلال میں عقلی دلائل کی جگہ محسوسات کو زیادہ پسند کیا جانے لگا ہے۔ اس لئے تشکیل نو میں ضروری ہے کہ دلائل و براہین کا پیرایہ بیان بدلا جائے۔

تشکیل جدید کا مطالبہ

اور یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ " علوم جدیدہ اور فلسفۂ جدیدہ نے مذہب کی بنیادیں متزلزل کردیں ہیں اور جدیدیت اپنے جلو میں جو علمی اور مادی چیلنج لائی ہے ان سے نبٹنے کے لئے صدیوں پرانا علم کلام ناکافی ہے۔ ان جدید مسائل سے نبرد آزمائی کے لئے فکر اسلامی کی تشکیل نو ضروری ہے اور نیا علم کلام بالکل نئے اصولوں پر قائم کرنا ہوگا۔ جس کے لئے اجتہاد ناگزیر ہے" اس قسم کی باتیں دو طرح کے حضرات کرتے ہیں۔ ایک تو وہ حضرات ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ نیا علم کلام ایسا تیار کیا جائے جو ان کے افکار کی پیروی کرے یعنی جدیدیت سے متاثر ہو کر وہ جس اسٹیج پر متمکن ہو چکے ہیں، اس سے انہیں ہٹنا نہ پڑے، بلکہ خود اسلامی فکر ان کی ہمنوائی کرنے لگے اور دوسرے وہ حضرات ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی فکر میں وسعت پیدا کی جائے تاکہ اسلامی فکر جدیدیت سے متاثر لوگوں سے قریب ہوسکے۔

ہمارے خیال میں اس قسم کا نیا علم کلام کبھی بھی اسلامی فکر سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔ ماضی میں اسی برصغیر میں اسلامی فکر کو جدید ذہن سے قریب کرنے کی محنت کی جا چکی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ خود جدید ذہن نے اسے ردّ کر دیا ہے کیونکہ اسلامی فکر کی قطع و برید کے بعد وہ اسلامی فکر ہی کب باقی رہے گا؟ وہ ما و شما کا فکر تو ہو سکتا ہے مگر اسے اسلامی فکر کسی طرح نہیں کہا جاسکتا ہمارا ایمان ہے کہ اسلامی فکر کا اصل سرچشمہ قرآن کریم اور حدیث نبویہ ہیں، ان میں جو فکر بسیط انداز میں بیان کی گئی ہے اسے ہی علمی اور فنی حیثیت سے سامنے لانا چاہیئے۔ ہمارا دخل۔ اس میں تعبیر کی حد تک تو گوارا ہو سکتا ہے مگر اس میں ہماری فکر دخل اندازی کسی طرح برداشت نہیں کی جاسکتی اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب کہ فہم قرآن و حدیث کے اصول موضوعہ سے صرفِ نظر نہ کی جائے اگر کوئی ذیلی اجتہاد ناگزیر ہو تو وہ بھی اسی دائرے میں رہ کر کیا جائے۔ ایسا اجتہاد جس سے فکر اسلامی کی پچھلی ساری بساط ہی اُلٹ جائے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اجتہاد کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ماضی سے فکری رشتہ کاٹ لیا جائے، تمام مجتہدین اُمّت نے ہمیشہ ہی ماضی سے اپنا رشتہ استوار رکھا ہے کیونکہ ایسا کرنے ہی سے نئے مجتہدات اصل سرچشمے سے منسلک ہوسکتے ہیں۔

لائحہ عمل

فکر اسلامی کی تشکیل نو کے سلسلے میں کرنے کے کام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- ایسے تمام مسائل کی ایک فہرست تیار کرنی چاہیے جو مختلف الخیال لوگوں کی گفتگو میں مذہب کو جانچنے کے سلسلے میں زیر بحث آتے رہتے ہیں تاکہ وہ جس فن کے مسائل ہیں ان کی طرف رجوع کرکے ان کے بارے میں معلومات اخذ کی جائیں اور نئے علم کلام میں ان کو جگہ دی جائے۔

۲- موجودہ اسلامی فرقوں کا جائزہ لیا جائے اور ایسے مسائل کی ایک فہرست مرتب کی جائے جن کو ان جماعتوں نے بنیادی اہمیت دے رکھی ہے مثلاً حجیت حدیث کا انکار، عدالت صحابہ کا مسئلہ، ختم نبوت کا انکار اور علم غیب کا عقیدہ وغیرہ۔

۳- اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال میں سے جو مسائل مسلمانوں یا غیر مسلموں کے نزدیک محل اشکال ہیں ان کی ایک فہرست مرتب کی جائے مثلاً تعداد ازواج کا مسئلہ، بینک کے سود کی حرمت، مساوات مرد و زن اور حسن و قبح اشیا کی عقلی اور شرعی حیثیت۔

۴- علوم عصریہ کی وہ بنیادیں متعین اور واضح کرنی چاہییں، جو اسلامی عقائد یا اسلام کی بنیادوں سے مزاحم ہیں تاکہ ان پر سیر حاصل بحث کی جاسکے مثلاً قدیم علم کلام میں فلسفۂ یونان کے ان مسلمات سے نبرد آزمائی تھی جو اسلامی فکر سے مزاحم تھے، چنانچہ متکلمین اسلام نے پورے فلسفۂ یونان کا جائزہ لیا اور ان تمام بنیادوں کو کھوکھلا کرکے رکھ دیا جو اہل فلسفہ کے نزدیک یقینی تھیں اس طرح آج بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ علوم عصریہ کا تجزیہ کیا جائے اور اس کی مذہب سے متعارض بنیادوں کو مشخص کرلیا جائے اور اس پر ناقدانہ نظر ڈالی جائے۔

۵- تمام مذاہب عالم کے ان مسلمات و معتقدات کی ایک فہرست تیار کی جائے جو مذہب اسلام کی رُو سے غلط یا قابل تنقید ہیں مثلاً تثلیث نصاریٰ، ابنیت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ، تناسخ اور نسخ شرائع کا مسئلہ۔

لٹریچر کی تیاری

فکر اسلامی کی تشکیل نو میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہنی چاہیے کہ محنت اسی وقت نتیجہ

خیز ثابت ہوگی جب کہ دو باتوں میں کامیابی حاصل ہوجائے۔ پہلی بات یہ ہے کہ تشکیل نو کا کام اُمّت کے سامنے مکمل کرکے پیش کیا جائے اگر کام ادھورا رہ گیا یا نا تمام پیش کیا گیا تو خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ معیار کے اعتبار سے تین قسم کا لٹریچر تیار کیا جانا چاہیئے، آسان، متوسط اور اعلیٰ۔

۱- آسان لٹریچر سے مراد یہ ہے کہ اس میں صرف مسائل ہوں۔ دلائل اگر ہوں تو بہت ہی سادہ پیرایہ میں ہوں، تاکہ عام ناخواندہ مسلمان اور اسکولوں اور مدارس کے نونہال اس سے استفادہ کرسکیں۔

۲- متوسط معیار سے مراد یہ ہے کہ انہی مسائل کو مدلل کرکے پیش کیا جائے لیکن استدلال میں موشگافی اور دقیق ابحاث سے اجتناب کیا جائے، تاکہ عام تعلیم یافتہ مسلمان اور غیر مسلم حضرات نیز دارالعلوموں اور کالجوں کے طلبہ اس سے استفادہ کرسکیں۔

۳- اعلیٰ معیار سے مراد یہ ہے کہ انہی مسائل کو فکر و نظر کی بلند سطح سے پیش کیا جائے۔ اور ان کے تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث کی جائے تاکہ مسلم اور غیر مسلم دانشوروں اور مفکروں کو وہ لٹریچر اپیل کرسکے۔

فکر اسلامی کی تشکیل نو کا کام کوئی آسان کام نہیں ہے، نہ یہ تنہا کسی ایک شخص کے بس کا کام ہے بلکہ یہ کام اگر انجام پذیر ہوسکتا ہے تو اکیڈمی کی سطح اور اجتماعی قوت ہی سے انجام پاسکتا ہے۔ ہم "جامعہ ملیہ اسلامیہ" اور اس کے شعبہ "ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز" کے شکر گزار ہیں، اور اس کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ اس نے بروقت اس اہم مسئلہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اب اگر تشکیل نو کے کام کا بیڑا بھی وہ اُٹھالے اور یہ کام اس کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہوجائے تو یہ بات اس کے نامۂ اعمال میں ایک ایسی درخشاں نیکی ہوگی جس پر تمام ملّی اور نیم ملّی ادارے رشک کریں گے۔ اللہ پاک جل شانہٗ اس جامعہ کو اور اس کے اس ادارے کو مسلمانوں کے لئے مفید کام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ (آمین)۔

(۲)

ابو العرفان ندوی

اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے جو اس دین کے لئے اساس و بنیاد ہے۔ ارشاد باری ہے لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه " دوسری جگہ ارشاد ہے " انا نحن نزّلنا الذكر وانا له لحافظون " مگر یہ حفاظت فرشتوں کے ذریعے نہیں ہوگی، بلکہ انسانوں کے ذریعے ہوگی۔ قرآن اور دین کے قیامت تک موجود محفوظ رہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ قرآن کے نسخے محفوظ ہوں گے اور جب کسی کو قرآن سے حوالے کی ضرورت ہوگی تو وہ متعین صفحہ کھول کر حوالہ درج کردے گا۔ کسی چیز کی حفاظت کا بے شک یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ وہ چیز کہیں احتیاط سے رکھ دی جائے، لیکن قرآن اور دین کی حفاظت جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قرآن اور دین کے احکام پر عمل کرنے والوں کی ایک جماعت عہد نزولِ قرآن سے لے کر قیامت تک موجود رہے گی اور یہ تسلسل بغیر انقطاع قائم رہے گا اور اخلاف اپنے اسلاف سے علمی اور عملی طور پر اس کو حاصل کرتے رہیں گے۔ حدیث شریف " لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم " سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

جو دین اور کتاب قیامت تک کے لئے اپنی بقا اور اپنے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنے والی ایک جماعت کی موجودگی کی خبر دیتی ہے اور جو دین تمام بنی نوع انسان کیلئے قومیت، نسل، وطن اور رنگ کی تخصیص کیے بغیر ہدایت کا اعلان کرتا ہے اور جس کے احکام پر ہر عہد میں ایک جماعت عمل کرنے والی موجود ہوگی، ظاہر ہے کہ اس دین کے احکام دائمی ہوں گے، اور ہر زمانے اور ہر عہد میں اس پر عمل کرنا آسان ہوگا اور لازمی طور پر اس دین میں